صفاتِ باریٔ تعالیٰ ج

مکتب اہل بیتؑ ــــ اور ــــ دیگر مکاتب

مصنف : علامہ سید مرتضی عسکری

مترجم : محمد شفا نجفی

نام کتاب	:	صفات باری تعالیٰ، مکتب اہل بیتؑ اور دیگر مکاتب
مصنف	:	علامہ سید مرتضیٰ عسکری
مترجم	:	محمد شفا نجفی
کمپوزنگ	:	میکسیما کمپوزنگ سینٹر، Mob: 03335169622
مطبع	:	میکسیما پرنٹنگ پریس راولپنڈی
سن اشاعت	:	محرم الحرام ۱۴۲۵ھ ۔ فروری ۲۰۰۴ء
اشاعت	:	بارِ دوم

۱۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنا ہمشکل خلق فرمایا

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور توحید ابن خزیمہ میں ابو ہریرہ سے روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنا ہم شکل پیدا کیا اور آپ کے قد کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی۔ آپؑ کو خلق کرنے کے بعد فرمایا: جائیے اور ان بیٹھے ہوئے فرشتوں کو سلام کیجیے اور ان کا سلام سن لیجیے کہ یہی آپ کا اور آپ کی اولاد کا سلام ہوگا۔ حضرت آدمؑ نے اس ہدایت پر عمل کیا اور فرشتوں سے فرمایا: تمہیں سلام ہو۔ فرشتوں نے جواب میں کہا: آپ پر بھی سلام اور رحمت خدا ہو۔ اس کے ساتھ ورحمۃ اللہ کا اضافہ فرمایا۔ پس جو بھی جنت میں داخل ہوگا وہ حضرت آدمؑ کا ہم شکل ہوگا۔ اس کے بعد سے اولاد آدم چھوٹی سے چھوٹی ہوتی جا رہی ہے۔[1]

نیز صحیح مسلم اور مسند احمد میں ابو ہریرہ سے روایت ہے:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بھی تمہارا، کسی برادر اسلامی سے لڑائی جھگڑا ہو تو اپنے فریق کے منہ اور چہرے پر مارنے سے گریز کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنا ہم شکل خلق فرمایا ہے۔[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب بدء السلام، ج۲،ص۵۹۔ صحیح مسلم کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمھا، باب یدخل الجنۃ اقوام ---- حدیث ۲۸،ص ۲۱۸۳۔۲۱۸۴،اور توحید ابن خزیمہ، ص ۴۰ و ۴۱۔

[2] صحیح مسلم، کتاب البر و الصدقۃ و الآداب باب النھی عن ضرب الوجہ ،حدیث ۱۱۲۔۱۱۶،ص ۲۰۱۶و۲۰۔

۲۔ یداللہ کا مطلب

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد اور توحید ابن خزیمہ میں ابو ہریرہ سے روایت ہے:

''رسول خدا صلی اللہ وعلیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت آدمؑ اور حضرت موسیٰؑ میں مناظرہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے آدم آپ ہمارے باپ ہیں۔ آپ نے ہمیں مایوس کر دیا ہے اور بہشت سے باہر نکال دیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا آپ موسیٰ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم کلام ہونے کے لیے منتخب فرمایا اور اپنے دست مبارک سے آپ کے لئے تورات کو لکھا۔ کیا آپ ایسے کام کی وجہ سے میری سرزنش کر رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میری خلقت سے چالیس سال قبل مقدر فرمایا ہے؟ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپس میں مناظرہ کیا تو حضرت موسیٰ جیت گئے۔[1]

اسی طرح صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابوداؤد، تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر، تفسیر زادالمسیر ابن جوزی اور تفسیر قرطبی میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے:

ایک یہودی دانشمند آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اے محمدؐ اور اے ابوالقاسم اللہ تعالیٰ روز قیامت آسمانوں کو اپنی ایک انگلی پر اٹھائے گا اور انہیں حرکت دیتے ہوئے فرمائے گا میں ہوں مالک اور صاحب اختیار۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس یہودی کی بات سے حیرت ہوئی، ہنسے اور اس کی تصدیق کی اور درج ذیل آیۃ کریمہ کی

---

[1] صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم موسی، ص۲۰۴۲-۲۰۴۳، حدیث۱۳، ۱۴، ۱۵۔
صحیح بخاری کتاب القدر باب تجاج آدم و موسی عند اللہ، ج۴، ص۹۸، کتاب التوحید باب قولہ "و کلّم اللہ موسی تکلیما"، ج۴، ص۱۹۹۔ سنن ابو داؤد و کتاب السنہ باب فی القدر، ج۴، ص۲۲۲۔ توحید ابن خزیمہ، ص۵۴-۵۷۔

تلاوت فرمائی وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَ الْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحٰنَهُ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ۔[1]

خدا کی اس طرح قدر نہیں کی جو اس کی ذات کے لائق ہے روز قیامت ساری زمین، اس کے قبضے میں ہوگی اور لپٹے ہوئے آسمان اس کے دست راست میں ہوں گے اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بالاتر ہے جو لوگ شرک کرتے ہیں۔[2]

تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر و ابن جوزی اور سیوطی میں سابق الذکر آیت کی تفسیر میں یہ روایت مذکور ہے۔

نیز صحیح بخاری اور کنز العمال میں ابو ہریرہ سے روایت ہے:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ پُر اور بھرا ہوا ہے اور شب و روز کے انفاق اور خرچ سے اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔ کیا ایسا نہیں کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی خلقت کے آغاز سے انفاق فرما رہا ہے مگر اس کے ہاتھ میں موجود نعمتوں میں کمی نہیں آتی۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عرش پانی کے اوپر قرار پایا ہے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں ہے اور میزان نیچے

---

[1] سورۂ زمر، ۶۷۔
[2] صحیح بخاری کتاب التفسیر، ج۳، ص۴۴۔ کتاب التوحید، ج۴، ص۱۹۲، صحیح مسلم کتاب صفۃ القیامۃ، حدیث۱۹ و۲۰ و۲۳ و۲۵، ص۲۱۴۷-۲۱۴۸۔ سنن ترمذی کتاب التفسیر، ج۵، ص۳۷۱۔ سنن ابو داؤد، ج۴، ص۲۳۴۔

اوپر ہوتا رہتا ہے۔[1]

نیز ابو ہریرہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا:

میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ تعالیٰ نے زمین کو قبضے میں لیا ہوا ہے اور آسمانوں کو اپنے دست قدرت میں لپیٹ رکھا ہے اور فرماتا ہے: میں بادشاہ اور صاحب اختیار ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں۔''[2]

نیز ابن خزیمہ کی کتاب توحید میں ''دست خدا کے ثبوت'' کے باب میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی محکم آیات (واضح الدلالہ) میں ہمیں آگاہ فرمایا ہے، اس کے دو ہاتھ ہیں۔[3]

ابن خزیمہ نے متعدد قرآنی آیات کو اپنے دعویٰ کے ثبوت کے طور پر پیش کیا۔ مثال کے طور پر:

۱۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ۔[4]

یہودیوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں ان کے ہاتھ بندھ جائیں۔ وہ اپنے اس قول کی وجہ سے ملعون قرار پائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ تو کھلے ہوئے ہیں۔ جیسے چاہتا ہے انفاق کرتا ہے اور بخشتا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب التوحید، ج ۴، ص ۱۸۶۔ کنز العمال، ج ۱، ص ۲۲۴ حدیث ۱۱۳۰ و ۱۱۳۱۔ الترغیب و التهذیب، ج ۲، ص ۴۸۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۳۶۔ تفسیر قرطبی، ج ۶، ص ۱۲۲، تفسیر سیوطی، ج ۲، ص ۵۲۶۔

[2] صحیح بخاری، ج ۳، ص ۱۲۲۔ صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین حدیث ۲۳، ص ۲۱۴۸۔

[3] توحید ابن خزیمہ، ص ۵۳۔

[4] سورۂ مائدہ، ۶۴۔

۲۔ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔[1]

بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی سلطنت اور زمام ہے اور اسی کی طرف تم سب کی بازگشت ہے۔

۳۔ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔[2]

تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے تمام نیکیاں تیرے ہاتھ میں ہیں اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

۳۔ اللہ کی پنڈلی اور پاؤں

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد، توحید ابن خزیمہ، تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر سیوطی میں ابو ہریرہ سے روایت ہے:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بہشت اور دوزخ نے ایک دوسرے پر فخر ومباہات اور مناظرہ کیا اور جہنم نے کہا متکبروں اور ظالم وجابروں کی پذیرائی کے لئے میرا انتخاب کیا گیا ہے۔ بہشت نے کہا یہ مجھے کیا ہو گیا ہے کہ مجھے کمزور اور بے بس قسم کے لوگوں کی آماجگاہ بنا دیا گیا؟ اللہ تعالیٰ نے بہشت سے فرمایا تو میری رحمت ہے اور تیرے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں اپنی رحمت نازل کرتا ہوں اور جہنم سے فرمایا: تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعے اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں عذاب دیتا ہوں اور تم دونوں پُر ہو جاؤ اور جہنم سیر

---

[1] سورۂ یٰس آ، ۸۳۔

[2] سورۂ آل عمران، ۲۶۔

نہیں ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں جہنم میں ڈالے گا اور جہنم آواز دے گا پالنے والے! کافی ہے کافی ہے۔[1]

نیز صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور مسند احمد میں ابو سعید سے روایت ہے:

میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا رب (روز قیامت) اپنی پنڈلی کو ظاہر فرمائے گا اور تمام مؤمن مرد اور عورتیں اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں گے۔ ماسوائے ان لوگوں کے جنہوں نے دنیا میں ریاکاری اور دکھاوے کے لئے سجدہ کیا ہوگا ان کی کمر سیدھی رہے گی اور وہ سجدہ نہیں کر پائیں گے۔[2]

اس روایت کی تفصیل صحیح بخاری کی کتاب التوحید میں ابو سعید خدری سے یوں منقول ہے۔ ابو سعید کہتے ہیں:

میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم روز قیامت اپنے رب کا دیدار کر سکیں گے؟

1۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر، تفسیر سورہ "ق" و کتاب التوحید باب "ان رحمة الله قریب من المحسنین" ج ۴ ص ۱۹۱۔ سنن ترمذی کتاب صفة الجنة ج ۴ ص ۶۹۲۔ صحیح مسلم کتاب الجنة، باب "النار یدخلها الجبارون و......" حدیث ۳۵، ۳۸ ص ۲۱۸۶۔ ۳۱۸۷، توحید ابن خزیمہ ص ۹۲۔۹۸۔ تفسیر طبری ج ۲۶ ص ۱۰۵۔

2۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر باب تفسیر سورة القلم۔ صحیح مسلم کتاب الایمان، باب معرفة طریق الرؤیة، حدیث ۳۰۲ ص ۱۶۷۔۱۶۸، سنن ابو داؤد کتاب الرفاق باب "فی سجود المؤمنین یوم القیامه"، ج ۲ ص ۳۲۶۔ مسند احمد، ج ۳ ص ۱۷۔ تفسیر طبرسی، ج ۲۹ ص ۲۴۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۴ ص ۴۰۷، تفسیر سیوطی، ج ۶ ص ۲۵۴۔۲۵۶۔

آپؐ نے فرمایا: روز قیامت منادی کی آواز آئے گی ہر کوئی اپنے معبود کی طرف چلا جائے۔ اس اعلان کے بعد صرف وہی لوگ رہ جائیں گے جنہوں نے خدا کی پرستش کی ہوگی چاہے وہ نیک ہوں یا گنہگار۔ ان عبادت گزاروں سے کہا جائے گا سب لوگ تو چلے گئے تم کیوں رکے ہوئے ہو یہ لوگ جواب دیں گے ہم ان مشرکین سے جدا ہو گئے ہیں ہم آج اللہ کے زیادہ محتاج ہیں ہم نے یہ ندا سنی ہے کہ ہر شخص اپنے معبود کی طرف چلا جائے ہم اپنے رب کے منتظر ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کے بعد خداوند تعالیٰ ان لوگوں کے پاس آئے گا اور فرمائے گا میں تمہارا رب اور پالنے والا ہوں یہ لوگ کہیں گے تو ہمارا پروردگار اور پالنے والا ہے۔ پیغمبروں کے علاوہ کوئی دوسرا خدا سے بات نہیں کر سکے گا۔ خدا فرمائے گا: کیا تمہاری نظر میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نشانی ہے جس کے ذریعے اسے پہچان سکو۔ یہ لوگ جواب دیں گے ہاں وہ نشان پنڈلی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی ظاہر فرمائے گا اور تمام مؤمنین اس کو سجدہ کریں گے۔[1]

(اس وقت میرے سامنے وہ باترجمہ وتفسیر قرآن مجید کھلا ہوا ہے جو مراسم حج کے اختتام پر وطن واپسی کے موقع پر حجاج کرام کو دیگر کتابوں سمیت بطور ہدیہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس قرآن میں سورۃ القلم کی آیت نمبر ۴۲ کی تفسیر میں محشی و مفسر محترم رقمطراز ہیں:

بعض نے کشف سے مراد قیامت کے شدائد اور اس کی ہولناکیاں لی ہیں لیکن

1۔ صحیح بخاری کتاب التوحید باب قوله "وجوه یومئذٍ ناضرة الی ربها ناظرة، ج ۴ ص ۱۸۹۔

ایک صحیح حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح بیان ہوئی کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھولے گا (جس طرح کہ اس کی شان کے لائق ہے) تو تمام مؤمن مرد اور عورتیں اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گی البتہ وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دکھاوے اور شہرت کے لئے سجدے کرتے تھے وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن ان کی ریڑھ کی ہڈی کے منکے تختے کی طرح ایک ہڈے بن جائیں گے جس کی وجہ سے ان کے لئے جھکنا ناممکن ہو جائے گا۔

(صحیح بخاری، تفسیر سورۃ القلم)

اللہ کی یہ پنڈلی کس طرح کی ہوگی؟ وہ کس طرح کھولے گا؟ اس کیفیت کو ہم جان سکتے ہیں نہ بیان کر سکتے ہیں۔ اس لئے جس طرح ہم بلا کیف وتشبیہ اس کی آنکھوں، کان، ہاتھ وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح پنڈلی کا ذکر بھی قرآن اور حدیث میں موجود ہے۔ اس پر بلا کم وکیف ایمان رکھنا ضروری ہے یہی سلف اور محدثین کا مسلک ہے۔ (مترجم)

۴۔ مکان خدا اور عرش خدا

بعض مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی مکان ہے اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل بھی ہوتا ہے۔ اپنے عرش پر رونق افروز ہوتا ہے زمین پر اترتا اور آسمان کی طرف چلا جاتا ہے۔

سنن ابن ماجہ، سنن ترمذی اور مسند احمد میں ابورزین سے روایت ہے۔ ابورزین کہتے ہیں: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا مخلوق کی خلقت سے پہلے اللہ تعالیٰ کہاں تھا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عماء میں تھا یعنی اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اس کے

نیچے اور اوپر ہوا تھی اور وہاں کوئی مخلوق نہیں تھی اور عرش الٰہی پانی کے اوپر قرار پایا تھا۔[۱]

اور دوسری روایت میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''عرش الٰہی آسمانوں کے اوپر اس طرح سے تھا اور آپ نے اپنی انگلیوں سے قبہ اور گنبد کی شکل بنائی پھر فرمایا (اللہ تعالیٰ کے وزن کی وجہ سے) اونٹ کے پالان کی طرح عرش سے آواز نکلتی ہے۔[۲]

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، سنن ترمذی و ابن ماجہ و دارمی، مؤطا مالک اور مسند احمد میں ابو ہریرہ سے روایت ہے:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے اور فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے درخواست کرے تا کہ اس کی درخواست قبول کروں کوئی مانگنے والا ہے جسے عطا کروں؟[۳]

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''پندرہ شعبان کی شب اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے اور لوگوں

---

[۱] سنن ابن ماجہ، حدیث۱۸۲۔ سنن ترمذی، تفسیر سورہ هود، حديث اول، مسند احمد، ج۴ص۱۱و۱۲۔

[۲] سنن ابو داؤد کتاب السنه، حدیث۴۷۲۶۔ سنن ابن ماجه مقدمه۔

[۳] صحيح بخاری کتاب التهجد، باب الدعاء و الصلوة فی آخر الليل و کتاب التوحيد و کتاب الدعوات، باب الدعاء نصف الليل۔ صحيح مسلم کتاب الدعاء باب الترغيب فی الدعاء و الذکر فی آخر الليل۔ سنن ابو داؤد، حدیث۴۷۳۳۔ سنن ترمذی، ج۲، ص۲۳۳و۲۳۵و ج۱۳، ص۳۰۔ سنن ابن ماجه، حدیث۱۳۶۶۔ سنن دارمی کتاب الصلوٰة و مؤطا مالك كتاب القرآن، باب۳۰، مسند احمد، ج۲، ص۲۶۴، ۲۶۷، ۲۸۲، ۴۱۹، ۴۳۳، ۴۸۷، ۵۰۴، ۵۲۱و ج۳، ص۳۴و ج۴ ص۱۶۔

کے گناہ بخشتا ہے۔"

نیز قیامت کے بارے میں فرمایا:

"جہنم سے کہا جائے گا کیا سیر اور پُر ہو گئے ہو؟ جہنم جواب دے گا مزید کوئی جہنمی ہے؟ (اس وقت) اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں جہنم کے اوپر رکھے گا اور اس وقت جہنم چیخ کے بولے گا کافی ہے کافی ہے۔"

ایک اور روایت کا مضمون یہ ہے:

مگر جہنم پُر اور سیر نہیں ہوگا یہاں تک اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں جہنم کے اوپر رکھے گا اور جہنم بول اٹھے گا کافی ہے کافی ہے اس وقت جہنم سیر و پر اور درہم برہم ہو جائے گا۔[1]

۵۔ روزِ قیامت بہشت میں خدا کا دیدار

راوی نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔

نیز راویان یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب دوسرے تمام انبیاء شفاعت سے انکار کریں گے۔ مؤمنین میرے پاس آئیں گے اور میں اٹھ کر بارگاہ خداوندی میں شرف یاب ہونے کے لئے اجازت طلب کروں گا جیسے ہی مجھے اجازت ملے

---

۱ یہ دونوں روایتیں مشہور صحابی ابو ہریرہ سے منقول ہیں جو سورۂ ق کی تفسیر میں صحیح بخاری، ج ۳ ص ۱۲۸ پر مذکور ہیں نیز باب "وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرہ" کے باب میں بخاری کی کتاب توحید، ج ۴، ص ۱۹۱ میں بھی مذکور ہیں۔

گی۔ رب کائنات کا دیدار کروں گا اور سجدے میں گر جاؤں گا۔[1]

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

روز قیامت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف نزول فرمائے گا اور ان کے درمیان کھڑے ہو کر فیصلے کرے گا۔[2]

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عنقریب تم کھلم کھلا اپنے رب کی زیارت کرو گے۔[3]

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

روز قیامت ہر کوئی اپنے اپنے معبود کے پیچھے دوڑے گا کوئی سورج کے پیچھے، کوئی چاند کے پیچھے اور کوئی طاغوتوں کے پیچھے دوڑ رہا ہوگا اور یہ امت (امت محمد) منافقین سمیت ایک جگہ ٹھہرے گی اتنے میں اللہ تعالیٰ، مانوس چیزوں سے مختلف چہرے کے ساتھ لوگوں کے پاس تشریف لے آئے گا اور فرمائے گا! میں تمہارا پروردگار ہوں۔ لوگ کہیں گے تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اور جب تک ہمارا رب ہمارے پاس نہیں آتا ہم اسی جگہ ٹھہرے رہیں گے اور جب بھی ہمارا رب آئے گا ہم اسے پہچان لیں گے۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ اپنے مانوس چہرے کے ساتھ آئے گا اور فرمائے گا میں تمہارا پروردگار

---

۱ صحیح بخاری، کتاب التوحید، ج ۴ ص ۱۸۵، اور زیادہ تفصیل کے ساتھ ج ۴، ص ۱۹۰ پر مذکور ہے۔

۲ سنن ترمذی، کتاب الزھد، ج ۹ ص ۲۲۹۔

۳ صحیح بخاری، کتاب التوحید، ج ۴، ص ۱۸۸۔

ہوں۔ لوگ کہیں گے واقعی۔ تو ہمارا پروردگار ہے اور اللہ کی پیروی کریں گے۔[1]

ایک اور روایت میں ہے:

ہر شخص اپنے معبود کے پیچھے چل پڑے گا یہاں تک کہ نیک اور گناہ گار عبادت گزاروں کے علاوہ کوئی بھی وہاں نہ رہے گا۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ مانوس چہرے سے ملتے جلتے چہرے کے ساتھ لوگوں کے پاس آئے گا۔ لوگوں سے کہا جائے گا تم کس کے منتظر ہو؟ ہر امت اپنے معبود کے پیچھے روانہ ہوگئی ہے اور تم رکے ہوئے ہو۔ لوگ جواب دیں گے: ہم اپنے معبود پروردگار کے منتظر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارا پروردگار ہوں لوگ دو یا تین دفعہ کہیں گے ہم کسی چیز کو خدا کا شریک قرار نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم میں اور خدا کے درمیان کوئی نشانی ہے جس کے ذریعے اسے پہچان سکو۔ لوگ کہیں گے "ساق" پنڈلی۔ اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی ظاہر کرے گا اور لوگ اس کو سجدہ کریں گے اس کے بعد اپنا سر اٹھائیں گے اور دیکھیں گے کہ اللہ اسی شکل میں ظاہر ہوا ہے جس شکل میں پہلے ظاہر ہوا تھا اور فرما رہا ہے میں تمہارا پروردگار ہوں اور لوگ کہیں گے تو ہمارا پروردگار ہے۔[2]

بہشت میں خدا کا دیدار

روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہشتی مؤمنین کے بارے میں فرمایا: بہشت میں مؤمنین اور ان کے رب کے دیدار کے درمیان خداوند تعالیٰ کے چہرے پر

---

1. صحیح مسلم، کتاب الایمان۔ صحیح بخاری کتاب التوحید، ج۴، ص۱۸۸۔
2. صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث۲۲۹۔ صحیح بخاری، تفسیر سورۂ نساء، ج۳، ص۸۰ و کتاب التوحید، ج۴، ص۱۸۹۔

آویزاں رداء کبریا کے علاوہ کسی اور چیز کا فاصلہ نہیں ہوگا۔[1]

جب مؤمنین جنت میں داخل ہوں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو عطا کردوں؟

لوگ کہیں گے پالنے والے کیا تو نے ہمیں سرخرو نہیں کیا؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں جگہ عنایت نہیں فرمائی اور کیا آتش جہنم سے نجات نہیں دی؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ حجاب ہٹا دے گا اس دن دیدار خدا سے زیادہ محبوب، کوئی چیز نہ ہوگی۔[2]

روایت کی گئی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بہشتی جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے ان کے اوپر ایک نور کی ضوء فشانی ہوگی جب سر اٹھا کے دیکھیں گے تو انہیں اپنے سروں کے اوپر مستقر پروردگار عالم کا دیدار نصیب ہوگا اور خدا فرمائے گا اے اہل جنت تم کو سلام ہو اور یہ وہی کلام خدا ہے جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہے! ارشاد باری تعالیٰ ہے: سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيمٍ۔ (یٰسین: ۵۸)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اس کے بعد اللہ تعالیٰ لوگوں کا نظارہ کرے گا اور لوگ اللہ تعالیٰ کا نظارہ کریں گے اور جب تک دیدار کا یہ سلسلہ جاری رہے گا، اہل جنت، جنت کی کسی نعمت کی طرف توجہ نہیں دیں گے۔ یہاں تک کہ باری تعالیٰ بہشتیوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا اور اس کا پر کشش نور باقی رہ جائے گا۔[3]

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت میں سب سے زیادہ محترم

---

1. صحیح بخاری، کتاب التوحید، ج۴، ص۱۹۱۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث۲۹۶۔
2. صحیح مسلم، کتاب الایمان، ج۲۹۷۔
3. سنن ابن ملجه، مقدمه، حدیث۱۸۴۔

وہ شخص ہوگا جو صبح شام چہرہ باری تعالیٰ کا دیدار کرے گا۔ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درج ذیل آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔

اس روز کچھ ہشاش بشاش چہرے اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گے۔[1]

نیز مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی اور فرمایا:

اہل جنت اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لئے جائیں گے اللہ تعالیٰ اپنا عرش ان کے سامنے آشکار فرمائے گا اور وہ خود بہشت کے باغات میں سے ایک باغ میں اپنا چہرہ ظاہر فرمائے گا اور اس محفل میں موجود ہر شخص سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوگا یہاں تک کہ تم میں سے بعض سے فرمائے گا اے فلاں تجھے یاد ہے فلاں روز تو نے کون کون سے کام انجام دیئے؟ وہ شخص عرض کرے گا پالنے والے کیا تو نے مجھے بخشا نہیں ہے؟ خدا فرمائے گا کیوں نہیں؟ میں نے بخش دیا ہے۔ اس کے بعد ہم سب اپنے اپنے مقامات کی طرف واپس چلے جائیں گے ہماری عورتیں ہم سے ملنے آئیں گی اور کہیں گی خوش آمدید آپ صدق وصفا لے کر آئے ہیں جو جاتے وقت نہ تھے۔ ہم جواب میں کہیں گے ہم آج اپنے پروردگار کے پاس تھے ہمیں ایسی ہی حالت میں پلٹنا چاہیئے تھا اور یہی ہمارے لائق شان ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ کے اعضاء و جوارح کی خصوصیات اور روز قیامت اسؐ کے دیدار کے

---

1. سنن ترمذی، کتاب صفة الجنة، ج۱۰، ص۱۸، ۱۹۔
2. سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، حدیث ۴۳۳۶، ص۱۴۵۱۔۱۴۵۲۔
سنن ترمذی، ابواب صفة الجنة، ج۱۰، ص۱۶۔۱۷۔

بارے میں اتنی ہی روایات پر اکتفاء کرتے ہیں کیونکہ ہمارا قصد تمام روایات کو یکجا جمع کرنا نہیں۔ انشاء اللہ ہم آئندہ بحثوں میں ان حدیثوں کی تاویل اور ان کے مفہوم کے بارے میں اختلاف کا تفصیل سے ذکر کریں گے۔

ان روایات کی تاویل اور حقیقی مفہوم کے بارے میں اختلاف

بعض مسلمان ان روایات کے ظاہری مفہوم پر ایمان رکھتے ہیں اور اس ایمان کو خدا پر ایمان لانے اور عقیدہ توحید کی دلیل سمجھتے ہیں اور جو حضرات ان روایات کو جسم اور جسمانی خصوصیات کے علاوہ کسی دوسرے معنی پر محمول کرتے ہیں ان کا نام ''معطلة الصفات'' رکھتے ہیں گویا ان لوگوں کو الٰہی صفات کو معطل سمجھنے والا قرار دیتے ہیں۔

مسلم نے اپنی کتاب صحیح کے کتاب الایمان میں اور بخاری نے اپنی صحیح کے کتاب التوحید میں ان روایات کی تدوین کی ہے۔

ابن خزیمہ نے اس کے بارے میں (توحید واثبات صفات خداوندی) نام کی ایک کتاب تالیف کی ہے اور اس مضمون کی تمام روایات کو صحیح قرار دیا ہے اس کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ تمام روایات یکے بعد دیگرے عادل راویوں سے نقل کی گئی ہیں۔ اور ان کے موثق اور قابل اعتماد راویوں پر کسی قسم کا اعتراض نہیں ہوتا۔ ❁

❁ کتب غیر امامیہ میں، ابن خزیمہ محمد بن اسحاق بہت بڑے حافظ اور اماموں کے امام سمجھے جاتے ہیں اور علم حدیث میں بخاری اور مسلم کے استاد مانے جاتے ہیں۔

ابن خزیمہ کی کتاب کی فہرست ملاحظہ ہو:

باب ۱ : نفس خدا کا ثبوت

باب ۲ : خدا کے چہرے کا ثبوت

باب ۳ : خدا کی شکل کا ثبوت

باب ۴ : خدا کی آنکھ کا ثبوت

باب ۵ : خدا کی بینائی اور شنوائی کا ثبوت

باب ۶ : خدا کے ہاتھ کا ثبوت

باب ۷ : خدا کے پاؤں کا ثبوت

باب ۸ : تمام مؤمنین اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

نیز امام حافظ عثمان بن سعید الداری (ت ۲۸۰ ھ) نے اپنی کتاب کے ایک حصے کو ''جھمیۃ'' جماعت کے رد میں اس طرح ترتیب دیا ہے:

باب ۱ : ۱۵ شعبان کو خدا کا نزول

باب ۲ : روز عرفہ خدا کا نزول

باب ۳ : روز قیامت حساب کے لئے خدا کا نزول

باب ۴ : بہشتیوں کے لئے خدا کا نزول

باب ۵ : خدا کا دیدار

ذہبی نے اپنی کتاب ''العلو العال للعلی الغفار'' میں ایسی آیات و روایات کو ذکر کیا ہے جن سے پیروکاروں نے یہی سمجھا ہے کہ خدا کا علو بھی دوسری چیزوں کی طرح علوِ مکانی

ہے اس کے بعد ذہبی اپنے نکتہ نظر کی تائید میں صحابہ، تابعین، علماء اور محدثین کے اقوال کو نقل کرتے ہیں۔

(امام حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان بن خایماز الذھبی (ت ۷۴۸ ھ) اس کی کتاب مدینہ منورہ کے کتابخانہ سلفیہ نے سن ۱۳۸۸ ہجری میں دوسری دفعہ چھاپی ہے)۔

صفات الٰہی اور مکتب اہل بیت علیہم السلام

صفات الٰہی کے بارے میں بعض مسلمانوں کا عقیدہ جو ابو ہریرہ وغیرہ کی روایات پر مبنی ہے۔ بیان کیا گیا۔ اس قسم کے شکوک و شبہات اور غلط فہمیاں یہودیوں کے توراتی افکار کا مسلمانوں کے ذہنوں میں داخل ہونا اور قرآن کے ظاہری و لغوی معنی کا سہارا لینے کا نتیجہ ہیں۔ ان کا آئمہ اہل بیتؑ کی طرف سے بھرپور جواب دیا گیا ہے۔ ہم ذیل میں روایات اہل بیتؑ کی روشنی میں ان روایات کا تجزیہ پیش کریں گے۔

۱۔ مکتب اہل بیتؑ میں حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ کا ہمشکل پیدا کرنے کا مفہوم

ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے آدمؑ کے اللہ کے ہمشکل پیدا کرنے سے متعلق ابو ہریرہ کی روایت کا یوں تجزیہ و تحلیل کی ہے۔ حسین بن خالد کہتے ہیں: میں نے امام رضاؑ کی خدمت میں عرض کیا: فرزند پیغمبر! لوگ، روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنا ہمشکل پیدا کیا۔ آپؑ نے فرمایا: خدا انہیں ہلاک کرے انہوں نے حدیث کے ابتدائی حصے کو حذف کر دیا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو آدمیوں کے پاس سے گزرے جو ایک دوسرے کو گالی گلوچ دے رہے تھے آپؐ نے ان دونوں میں سے ایک کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''خدا تیرے اور تیرے

ہمشکل کے چہرے کو برا کرے۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بندۂ خدا اپنے برادر دینی کو ایسا نہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اس برادر دینی کا ہمشکل پیدا کیا ہے۔

(توحید صدوق، مطبوعہ طہران، ۱۳۸۷ھ قمری ص ۱۵۳)

روایت اول کی مانند ایک اور روایت میں ابوالورد بن ثمامہ امیر المؤمنین سے روایت کرتے ہیں: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہہ رہا ہے: ''خدا تیرے اور تیرے ہمشکل کے چہرے کا برا کرے'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پرہیز کرو اور ایسی باتوں سے گریز کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اس شخص کا ہمشکل پیدا کیا ہے۔ (ایضاً ص ۱۵)

ایک اور روایت میں ہے: میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط لکھا اور اللہ تعالیٰ کے جسم اور شکل وصورت کے بارے میں دریافت کیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:

سُبْحَانَ مَنْ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ لَا جِسْمٌ وَلَا صُوْرَةٌ ۔

یعنی منزہ ہے وہ ذات جس کے مثل کوئی چیز نہیں اس کا کوئی جسم ہے نہ کوئی صورت۔ (ایضاً، ص ۱۰۲، حدیث ۱۶)

اس حدیث کے تجزیہ سے درج ذیل نکات سامنے آئے ہیں:

(اول) صدر حدیث (ابتدائی حصہ) کا حذف کیا جانا

ابوہریرہ کی جس حدیث کو ہم نے نقل کیا ہے اس میں حدیث رسولؐ کے ابتدائی حصے کو حذف کیا گیا ہے یعنی درج ذیل پوری عبارت حذف کر دی گئی ہے۔ ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ دو آدمی ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے ہیں اور ایک دوسرے سے کہہ

رہا ہے خدا تیرے اور تیرے ہمشکل کے چہرے کا برا کرے آپؐ نے فرمایا: اپنے برادر دینی کو ایسا نہ کہو'' اس اہم حدیث کے ابتدائی حصے کو حذف کیا گیا ہے صرف ذیل کا حصہ (آخری حصہ) یعنی اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ باقی رہ گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ صورتہٖ میں ''ہ'' کی ضمیر۔ اُس یعنی اللہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور سننے والا یہی سمجھتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ خدا نے حضرت آدمؑ کو اپنا ہم شکل پیدا کیا ہے جبکہ مراد یہ نہیں۔

(دوم) ابوہریرہ کی حدیث میں دو چیزوں کا اضافہ

الف۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی دوسری روایت ابوہریرہ میں تھا'' جو بھی اپنے بھائی سے لڑائی جھگڑا کرے اس کے منہ پر مارنے سے گریز کرے''۔ اس عبارت میں بھی اس حذف شدہ حصے میں تحریف واقع ہوئی ہے جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا۔

ب۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی پہلی روایت میں یوں آیا تھا: ابوہریرہ نے کہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ساٹھ ہاتھ (تقریباً ۳۰ میٹر) طولانی پیدا کیا''۔ یہ بات آج کی سائنسی تحقیق سے سازگار نہیں۔

ابوہریرہ کی حدیث میں غور کرنے سے اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ ابوہریرہ خلقت کے آغاز کے بارے میں تورات کے افسانوں سے سخت متاثر تھے۔ چنانچہ ابوہریرہ کی روایات کی تھیلی بھی انہی افسانوں سے بھری پڑی ہے۔ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ ابوہریرہ نے رسول خداؐ کی حدیث کے ایک حصے کو حذف کر دیا ہے اور اسے اس طرح پیش کیا ہے کہ روایت تورات سے ہم آہنگ ہو سکے بلکہ اپنی طرف سے بھی بہت کچھ بڑھا دیا ہے تا کہ آغاز خلقت کے بارے میں

حدیث رسولؐ، تورات کے افسانوں سے ساز گار ہو سکے چنانچہ عین ممکن ہے کہ ابو ہریرہ کی روایت نقلی ہو چونکہ یہ حدیث ایک مشہور صحابی ابو ہریرہ سے مروی ہے اس لیے مکتبِ خلفاء کے پیروکار اس سے متمسک ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے انسانوں کی طرح کے اعضاء و جوارح کے قائل ہیں اسی لیے قرآن کریم میں جہاں بھی لفظ "وجہ" خدا آیا ہے مثلاً "وجہ ربک" تو انہوں نے اس کے لغوی معنی ہی مراد لیے ہیں اور اس کی تفسیر اعضاءِ بدن انسانی سے کی ہے۔

۲۔ مکتب اہل بیتؑ میں یداللہ کا مطلب

اہل بیت اطہار علیہم السلام کی روایات میں یداللہ کی یہ تفسیر کی گئی ہے۔ محمد بن مسلم کہتے ہیں: میں نے امام محمد باقرؑ سے پوچھا: فرزند پیغمبر آیہ کریمہ یَا اِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ۔(اے ابلیس تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے؟) میں ید سے کیا مراد ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: عربی زبان میں ید کا معنی قوت وطاقت بھی ہے اور نعمت بھی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْاَیْدِ۔ (سورہ ص:۱۷)

"ہمارے طاقتور بندے داوٗدؑ کو یاد کرو۔"

وَالسَّمَاءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ۔ (سورہ ذاریات:۴۷)

"ہم نے اپنی طاقت کے ذریعے آسمان کو بنایا۔"

وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ۔ (سورہ مجادلہ:۲۲)

"اس نے اپنی روح کے ذریعے انہیں قوت بخشی۔"

ان تین آیات میں یدؐ قوت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

عربی میں کہا جاتا ہے:

لِفُلَانٍ عِنْدِیْ اَیَادِیْ کَثِیْرَةٌ ۔یعنی فلاں آدمی کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔

وَلَهٗ عِنْدِیْ یَدٌ بَیْضَآءُ۔ اس نے مجھے وافر نعمتیں بخشیں ہیں۔

(توحید صدوق، ص ۱۵۳ حدیث ۱)

نیز محمد بن عبیدہ کہتے ہیں میں نے امام رضاؑ سے درج ذیل آیت میں یدؐ کی تفسیر پوچھی:

یَا اِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ اَسْتَکْبَرْتَ۔

(سورہ ص:۷۵)

آپ نے فرمایا: آیہ کریمہ میں ید سے مراد، قدرت وطاقت ہے۔

(توحید صدوق ص ۱۵۳۔۱۵۴، حدیث دوم)

محمد بن عیسیٰ بن عبیدہ کہتے ہیں میں نے دسویں امام علی بن محمد ہادیؑ سے آیہ کریمہ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِهٖ کی تفسیر دریافت کی تو آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی یہ تعبیر ان لوگوں کے لئے ہے جو خدا کو مخلوق کے مانند سمجھتے ہیں کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۔لوگوں نے خدا کو اس طرح نہیں پہچانا جو اس کے لائق شان ہے۔

چونکہ لوگ کہا کرتے تھے روز قیامت زمین خدا کے ہاتھ میں اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، خدا نے فرمایا ان لوگوں نے خدا کو ویسا نہیں پہچانا جو اس کے شان کے لائق ہے کیونکہ لوگ کہا کرتے تھے: مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ۔خدا نے

کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو ہاتھ اور دست سے منزہ ظاہر کیا اور فرمایا: سُبۡحَانَ اللہِ وَ تَعَالٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ۔ خدا اس چیز سے منزہ ہے جسے لوگ شریک قرار دیتے ہیں۔(توحید صدوق، ص۱۵۳ حدیث دوم)

عربی لغت کے ماہرین، گزشتہ آیات و روایات کی تفسیر میں اہل بیتؑ کے ارشادات کو سمجھ گئے ہیں اور ان کو لغوی استعمال کے مطابق قرار دیا ہے۔

راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات القرآن میں اور دانشمند معاصر اپنی کتاب معجم الفاظ القرآن الکریم میں فرماتے ہیں: ''یَـدٌ'' ایک عضو بدن کا نام ہے جو کبھی دوسرے معانی میں بھی استعمال ہوتا مثلاً وہ چیز جو کسی کے اختیار میں ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ فلاں چیز اس کے ید (ہاتھ) میں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اس کے اختیار میں ہے۔

یہ دانشمند حضرات لفظ یَـد کے نو معنی مجازی بیان کرتے ہیں جن میں سے بعض معنی گزشتہ تین آیات میں بیان کئے گئے۔ ان کے علاوہ آیہ کریمہ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ میں بھی ''ید'' مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی یہ کہ عالم ہستی کی زمام امور خدا کے اختیار میں ہے اور تمام موجودات اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم ہیں۔ اسی طرح بِیَدِکَ الۡخَیۡرُ کا مطلب یہ بھی ہے کہ سارے کا سارا خیر اور تمام نیکیاں تیرے اختیار میں ہیں۔ نیز آیہ کریمہ یَـدُ اللہِ مَغۡلُوۡلَۃٌ یہودیوں کے نزدیک خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ انفاق نہیں کر سکتا اور مَبۡسُوۡطَۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ انفاق کر سکتا ہے جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی

عُنُقِکَ۔(بنی اسرائیل:۳۲) یعنی انفاق سے گریز نہ کر۔

غیر امامیہ علماء کی روش باعث تعجب ہے کہ آیہ کریمہ لَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً میں یَـدٌ کو اس کے مجازی معنی پر محمول کرتے ہیں اور بخل اور انفاق سے گریز تفسیر کرتے ہیں مگر یہی لوگ۔

یَدُ اللہِ مَغۡلُوۡلَۃٌ

میں یَـدٌ سے مراد بدن کا ظاہری عضو لیتے ہیں۔ معلوم نہیں ان علماء کی اس کج فہمی کی وجہ کیا ہے؟

تحقیق اور جستجو کے نتیجے میں اس غلط تفسیر کی صحیح وجہ سامنے آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مکتب خلفاء میں صحابہ رسولؐ کی احادیث موجود ہیں جن میں یَـدٌ اور اس قسم کے دیگر الفاظ سے ان کے ظاہری اور لغوی معنی مراد لئے گئے ہیں اور خدا کی طرف پاؤں اور پنڈلی کو منسوب کرتے ہوئے بھی اس طرز تفکر کو اپنا لیا گیا ہے۔

۳۔ مکتب اہل بیتؑ میں ساق (پنڈلی) و قدم کا مطلب

آئمہ اہل بیتؑ کی بعض روایات میں ساق کا مطلب بیان کیا گیا ہے۔

عبید بن زرارہ کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیہ کریمہ یَوۡمَ یُکۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے ایک ہاتھ سے پنڈلی کا کپڑا اٹھایا اور دوسرا ہاتھ سر پر رکھا اور فرمایا: سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی میرا رب اعلیٰ (جسم و جسمانیات سے) منزہ ہے۔

شیخ صدوقؒ فرماتے ہیں: امام علیہ السلام کے فرمان سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ساق (اور دیگر اعضاء و بدن) سے منزہ ہے۔

نیز محمد بن علی حلبی روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے آیہ کریمہ ''یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ'' کے بارے میں فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات سے منزہ ہے کہ انسانوں کی طرح اس کی بھی ساق (پنڈلی) ہو۔ اس کے بعد آپ نے اپنی پنڈلی کی طرف اشارہ کیا، کپڑا اٹھایا اور اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ۔ انہیں سجدے کی طرف بلایا جائے گا ہے مگر وہ اس کی استطاعت نہیں رکھیں گے۔ (سورۂ قلم: ۴۲)

نیز آپ علیہ السلام نے فرمایا: بدکار قوم مبہوت ہو اور اس دن کی ہیبت وعظمت ان پر چھا جائے ان کی آنکھیں خیرہ ہوں اور دل حلق تک آجائے۔ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ (سورۂ قلم: ۴۳) ان کی متواضع نگاہیں نیچی ہوں گی ذلت ان پر چھائی ہوئی ہوگی یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اس وقت بھی سجدے کے لئے بلایا جاتا تھا جب وہ صحیح سالم تھے۔

حسین بن سعید نے امام رضا علیہ السلام سے آیہ کریمہ یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ کے بارے میں سوال کیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: ایک نورانی حجاب نمودار ہوگا اور سارے مؤمنین سجدہ کریں گے لیکن منافقین کی پشت خمیدہ ہوگی اور سجدے کی قدرت نہ رکھتے ہوں گے۔ (عیون اخبار الرضا، تفسیر نور الثقلین، ج ۵، ص ۳۹۵)

احادیث کشف ساق کی تحقیق اور ان پر تبصرہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا: وَیَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ۔ جس دن بڑا عظیم واقعہ نمودار ہوگا۔ عربی زبان میں کشف ساق (پنڈلی ظاہر کرنا) کسی معاملہ کی شدت اور عظیم وغیر معمولی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ابن عباس سے آیہ کریمہ یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: جب بھی کوئی حقیقت تم پر پوشیدہ ہو تو اس کو اشعار میں تلاش کرو کیونکہ اشعار، عربی کا دیوان ہیں۔ کیا تم نے اس شاعر کا کلام نہیں سنا جو کہہ رہا ہے: وَقَامَتِ الْحَرْبُ بِنَا عَلٰى سَاقٍ یعنی ہماری جنگ شدت اختیار کرگئی۔ اس کے بعد ابن عباس نے فرمایا: یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ کا مطلب یہ ہے روز قیامت ایک بہت بڑا واقعہ وقوع پذیر ہوگا۔ (تفسیر قرطبی، ج ۶، ص ۲۵۴)

مشہور اور باخبر ماہر لغت راغب اصفہانی نے بھی اپنی کتاب مفردات القرآن میں مذکورہ آیت کی وہی تفسیر کی ہے جو ابن عباس نے کی ہے۔ (بحوالہ مفردات راغب لفظ ''سوق'')

اسی طرح ہمارے مصری معاصر اپنی کتاب ''معجم الفاظ القرآن الکریم'' میں فرماتے ہیں: ''کشف ساق'' کسی واقعہ کی شدت اور سختی کی طرف اشارہ ہے۔

صحابہ کرامؓ کے زمانے سے لے کر آج تک اس آیہ کریمہ کے بارے میں اہل لغت اور مفسرین کے اقوال میں غور وخوض اور جستجو سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ کشف ساق ایک خاص معنی کی طرف اشارہ اور کنایہ ہے اس کا لغوی معنی (پنڈلی کو ظاہر کرنا) ہرگز مراد نہیں۔ جب ہم کہتے ہیں ''جنگ برپا ہوگئی'' اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان کی طرح جنگ کے بھی پاؤں ہوتے ہیں اور جنگ اپنے پاؤں پر کھڑی ہوگئی۔ مگر چارہ کیا ہے کہ عربی زبان کے اس مشہور ومعروف مفہوم کے مقابلے میں کتاب وتفسیر واحادیث میں ابوہریرہ اور دیگر صحابہ کرام کی روایت موجود ہیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیہ کریمہ یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کو ظاہر فرمائے گا اور لوگ اس کے لئے سجدہ

کریں گے"۔

مکتب خلفاء کے بعض پیروکاروں نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے کہ "نعوذ باللہ" خدا کے بھی ہماری طرح (پاؤں) اور پنڈلی ہوتی ہے۔

۴۔ روایاتِ اہلِ بیتؑ میں عرش و کرسی کی تفسیر

زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا: اے فرزند پیغمبر! خدا جو فرما رہا ہے: "وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ"۔ کیا آسمان و زمین کرسی کو گھیرے ہوئے ہیں یا کرسی، آسمان اور زمین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے؟ آپ نے فرمایا: کرسی صرف آسمان اور زمین ہی کو اپنے اندر لئے ہوئے نہیں بلکہ عرش اور دنیا کی ہر چیز کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

داود رقی کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیہ کریمہ "وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ" (اس کا عرش پانی کے اوپر تھا) کے بارے میں سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: دوسرے لوگ اس آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: دوسرے لوگ تو کہتے ہیں عرش پانی کے اوپر قرار پایا ہے اور خدا عرش کے اوپر۔ آپ نے فرمایا: یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں جس شخص کا بھی یہ خیال ہے وہ خدا کو کوئی اٹھائے جانے والی چیز سمجھتا ہے اور خدا میں مخلوق والی صفات کا قائل ہو گیا ہے اور اس زاویہ فکر کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو چیز خدا کو اٹھائے ہوئے ہے وہ، خدا سے زیادہ طاقتور ہو۔

ابوصلت عبدالسلام بن صالح علوی ہروی کہتے ہیں: خلیفہ مامون عباسی نے امام رضا علیہ السلام سے آیہ کریمہ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى

الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" (سورۂ ھود: ۷) خدا کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی کے اوپر تھا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ عمل کے اعتبار سے کون زیادہ اچھا ہے۔" کی تفسیر پوچھی تو امامؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے عرش، پانی اور فرشتوں کو آسمان اور زمین سے پہلے خلق فرمایا ہے۔ (توحید صدوق، ۲۱۹، حدیث ۲)

دونوں مکتب فکر کی روایات کا موازنہ

(الف) غیر امامیہ مکتب فکر میں عرش و کرسی کا مفہوم

قرآن مجید عرش کا لفظ بیس جگہ اور کرسی کا لفظ صرف ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۔ (اللہ تعالیٰ عرش پہ مسلط ہوا) وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ ابن خزیمہ و دیگر علماء کرام عرش و کرسی کو مادی اجسام سمجھتے ہیں اور یہ کہ (نعوذ باللہ) اللہ ان کے اوپر جاگزین ہے اور اپنے اس نظریے کی دلیل کے طور پر ایسی سات قرآنی آیات کو پیش کیا ہے جن میں عرش اور استوی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ان حضرات کے خیال میں آیہ کریمہ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کی کرسی اور اس کا تخت اتنے بڑے ہیں کہ ان میں آسمان اور زمین سما سکتے ہیں۔

ہماری تحقیق اور جستجو کے مطابق مکتب خلفاء میں اس قسم کی آیات سے اس مفہوم کو اخذ کرنے کی وجوہات درج ذیل ہیں:

۱۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی روایات جن کے مطابق عرش الٰہی، موجودات کی خلقت سے پہلے پانی کے اوپر موجود تھا۔

۲۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب روایت جس کے مطابق زمین پہلے آسمان سے نیچے ہے، پہلا آسمان دوسرے آسمان کے نیچے، دوسرا تیسرے کے نیچے اور اسی طرح آسمان ہفتم تک اور ساتویں آسمان کے اوپر ایک دریا ہے اور اس دریا کے اوپر سات پہاڑی مینڈھے قرار پائے ہیں اور ان کے اوپر عرش الٰہی ہے اور خداوند تعالیٰ عرش کے اوپر جاگزین ہے۔

۳۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب روایت جس کا مفہوم یہ ہے کہ عرش الٰہی آسمانوں کے اوپر ہے اور خدا کی ذات، آسمانوں اور عرش کے اوپر ہے۔ اور یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے وزن کی وجہ سے چیختی اور کراہتی ہیں۔

۴۔ (ان کے ہاں) روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کرسی کے اوپر بیٹھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کا مبارک بدن چاروں طرف سے چار انگلیوں کے برابر کرسی سے بڑھا ہوا ہے۔

آئیں ذرا ان راویوں سے پوچھیں:

۱۔ ان روایات میں جس خدا کا تعارف کرایا گیا ہے اس کی چار سمتیں مربع شکل ہیں یا عرش الٰہی کے چار کونے ہیں؟

۲۔ روایت میں جو کہا گیا ہے کہ چاروں طرف سے چار انگلی کرسی سے بڑھا ہوا ہے یہ انسانی انگلیوں کے حساب سے ہے یا ان سے بڑی انگلیوں کے حساب سے۔

سچ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات جاہلوں کے خیالات سے بالاتر ہے۔

۳۔ اس مکتب فکر کی تمام روایات میں ہے کہ موجودہ عرش، ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور ساتواں آسمان چھٹے آسمان کے اوپر ہے اسی طرح پہلا آسمان زمین کے اوپر ہے ان سب

کے اوپر عرش ہے اور نعوذ باللہ عرش کے اوپر خدا کی ذات۔

یہ تمام روایات علم ہیئت قدیم کے ساتھ تو سازگار ہیں جو کہ عالم ہستی کے لئے سات یا آٹھ طبقوں کا قائل ہے اور یہ کہ زمین سب سے نچلے طبقے کا نام ہے اور آسمان اس کے اوپر ہیں۔ البتہ سات آسمانوں کا وجود ایک توحیدی عقیدہ ہے مگر دانشمندان ہیئت قدیم ان طبقات کے لئے اپنے ذہن اور خیال کے مطابق ایک مادی تصور پیش کرتے ہیں لیکن جو حقائق ہیئت جدید میں پایہ ثبوت تک پہنچ چکے ہیں وہ یہ ہیں کہ اس نظام شمسی کے تمام سیارے جو سورج کے گرد گردش کرتے ہیں، ان کروڑوں کہکشاؤں کا ایک حصہ ہیں جو خود بھی اس عالم ہستی کا ایک جزو ہیں آیا اس جدید علمی انکشاف کے روشنی میں اس قسم کی احادیث کی تفسیر کے لئے کوئی گنجائش رہتی ہے؟

مکتب اہل بیتؑ میں عرش و کرسی کا مفہوم

جن روایات کو گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا ان سے غیر شیعہ بعض علماء اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ وہ قرآن مجید میں مذکور لفظ عرش و کرسی کو دو مادی جسم تصور کریں۔ مگر آئمہ اہل بیت علیہم السلام اس نکتہ نظر کی تائید نہیں کرتے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ "كَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ" (سورۂ ہود: ۷) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو آسمان اور زمین سے پہلے پیدا کیا ہے اور بحکم خدا ان سے پہلے موجود تھا اور کرسی سے مراد علم خدا ہے اس طرح "وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ" (سورۂ بقرہ: ۲۵۵) کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم آسمان اور زمین کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ عرش، استویٰ اور کرسی کا مفہوم ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ عرش: لغوی اعتبار سے "عرش" چھت والی جگہ کو کہتے ہیں جس کی جمع "عروش" ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۔ (سورۂ بقرہ: ۲۵۹) یعنی ان کی چھتیں

گری پڑی تھیں۔ نیز کہا جاتا ہے عَرْشُ الْكَرْمِ وَ عَرْشَةٌ یعنی میں نے باغ اور درخت انگور کے اوپر مکان کی چھت کے مانند چھت بنائی۔

بادشاہ کے تخت اور اس کے بیٹھنے کی جگہ کو بھی اس کے مقام و منصب کے لحاظ سے عرشِ سلطنت کہا جاتا ہے جو کہ بادشاہ کی عزت و تسلط اور ادارہ مملکت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

۲۔ استویٰ:

قرآن مجید میں چھ دفعہ اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ایک دفعہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی استعمال ہوا ہے۔

راغب اصفہانی اپنی کتاب ''مفردات القرآن'' میں لکھتے ہیں: اِسْتَوٰی کا لفظ عَلٰی کے ساتھ استعمال ہو تو مسلط اور چھا جانے کے معنی میں آتا ہے جیسے اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (اللہ تعالیٰ عرش پر مسلط ہوا) استویٰ کے مفہوم کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے: اِسْتَوٰی لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یعنی آسمان اور زمین میں موجود ہر چیز تابع فرمان خدا ہے اور مشیت اور مراد الٰہی منظم انداز میں پورے ہو رہے ہیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی السَّمَاءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف نظر فرمائی اور سات آسمانوں کی صورت میں منظم فرمایا۔ لفظ استویٰ تسلط اور چھا جانے کے معنی میں، عربی اشعار میں بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ شاعر عرب، گورنر عراق بشر بن مروان کے بارے میں کہتا ہے:

قَدِ اسْتَوٰی بِشْرٌ عَلَی الْعِرَاقِ   مِنْ غَیْرِ سَیْفٍ اَوْ دَمٍ مِهْرَاقِ

یعنی بشر، بغیر تلوار اور خونریزی کے عراق پر مسلط ہو گیا۔

۳۔ کرسی:

اصل میں ''کرسی'' کا معنی علم ہے یہی وجہ ہے کہ کسی بھی علمی تحریر اور نوٹس ''کراسة'' کہتے ہیں اور علماء کو ''کرسی'' کہتے ہیں۔ چنانچہ شاعر کا کلام ہے۔

یَحُفُّ بِهِمْ بَیْضُ الْوُجُوْهِ وَ عُصْبَةٌ   كَرَاسِیُّ بِالْاَحْدَاثِ حِیْنَ تَنُوْبُ

یعنی انہیں سرخ رو اور حادثات سے آگاہ جماعت نے گھیر لیا۔

اس کے علاوہ ہر چیز کی اصل کو بھی ''کرسی'' کہتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے: فلان کریم الکرسی یعنی فلاں آدمی شریف الاصل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ کا مفہوم یہ ہے علم خدا آسمانوں اور زمین کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کرسی کا یہ مفہوم قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سورہ انعام میں حضرت ابراہیمؑ کی زبانی ارشاد ہے: وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ (سورۂ انعام: ۸۰) ''میرے رب کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔''

حضرت شعیبؑ کی زبانی ارشاد ہے: وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ (اعراف، ۸۹)

اور حاملان عرش فرشتوں کی زبانی ارشاد ہے: رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا۔ (سورۂ مؤمن: ۷) پالنے والے تیری رحمت اور علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے خطاب کر کے فرمایا: اِنَّمَا اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ تمہارا معبود وہ خدا ہے جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ یہ اصطلاحات اور ان کی تفسیر دونوں مکاتب فکر کے پیروکاروں میں معرکۃ الآراء مسائل میں شمار ہوتے ہیں۔ بنیادی نکتہ یہ ہے کہ غیر شیعہ مکتب فکر میں جس الٰہ کا تصور پیش کیا گیا ہے۔ وہ کبھی تو کسی خاص جگہ کو اپنا ٹھکانہ بنا لیتا ہے، کبھی عرش سے

زمین پر نزول فرماتا ہے اور کبھی بہشت سے جہنم منتقل ہوتا ہے اور اپنا پائے مبارک جہنم پر رکھ دیتا ہے تا کہ جہنم سیر اور پُر ہو سکے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی طرف مکان، حرکت اور نقل وانتقال کو منسوب کرنا

علی بن الحسین بن علی بن فضالہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ میں نے امام رضاؑ سے آیہ کریمہ وَجَاءَ رَبُّکَ وَ الْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا (سورہ فجر: ۲۲) کے بارے میں دریافت کیا تو امامؑ نے فرمایا: پاک اور منزہ ہے وہ خدا جس کے اوصاف میں آنے جانے اور نقل وانتقال کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ رب کے آنے کا مطلب امرِ رب کا آنا ہے۔ نیز ابراہیم بن ابو محمود کہتے ہیں: میں نے امام رضاؑ کی خدمت میں عرض کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب اس روایت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر شب آسمان سے زمین پر نزول فرماتا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جو (کسی کے) کلام کو اپنی جگہ سے منحرف کر دیتے ہیں۔ خدا کی قسم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہرگز ایسا نہیں فرمایا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہ فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ ہر شب رات کی آخری تہائی میں اور شب جمعہ اول شب ایک فرشتے کو آسمان دنیا کی طرف بھیجتا ہے اور اسے یہ آواز دینے کا حکم دیتا ہے: کوئی سوالی ہے جسے میں عطا کروں؟ کوئی توبہ کرنے والا ہے جسے میں بخش دوں؟ کوئی استغفار کرنے والا ہے جس کی مغفرت کروں؟ اے خیر کے طلبگارو عجلت سے کام لو اور اے شر کے طلبگارو باز آ جاؤ۔

یہ فرشتہ طلوع فجر تک برابر یہی آواز دیتا رہتا ہے اور صبح ہونے کے ساتھ ہی ملکوت

آسمان میں اپنی جگہ واپس چلا جاتا ہے۔ اس حدیث کو میرے والد گرامی نے میرے جد امجد سے اور انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

(توحید صدوق، ص ۱۷۶، حدیث ۷)

نیز یونس بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں میں نے امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں عرض کیا اے فرزند پیغمبر! اللہ تعالیٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زمین سے آسمان تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور وہاں سے حجب نور تک لے جا کر کیوں گفتگو کی جبکہ خدا کا تو کوئی خاص مکان نہیں ہوتا؟ امامؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا کوئی مکان احاطہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی زمانہ اس پر گزر سکتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ معراج کے ذریعے آسمان کے فرشتے آپ کی زیارت سے شرفیاب ہوں اور آپ قدرت کی حیرت انگیز نشانیوں کو ملاحظہ کر کے اہل زمین کو ان سے آگاہ کریں اور یہ بھی اس طرح نہیں جس طرح خدا کے لئے مثل کے قائل لوگوں کا خیال ہے۔ خدا ہر اس چیز سے منزہ ہے جسے اس کا شریک قرار دیا جاتا ہے۔

(توحید صدوق، ص ۱۷۵، حدیث ۲)

نیز زید بن علیؑ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد گرامی امام زین العابدینؑ کی خدمت میں عرض کیا بابا جان! یہ فرمائیں کہ جب میرے جد امجد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج پر لے جایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازوں کو فرض قرار دیا تو از خود اپنی امت کے لئے نمازوں میں تخفیف اور رعایت کی درخواست کیوں نہیں کی اور حضرت موسیٰؑ کو یہ کہنا پڑا کہ (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہ خداوندی میں دوبارہ چلے جائیں اور اپنی امت کے لئے نمازوں میں رعایت کی درخواست کریں کیونکہ آپ کی امت اتنی نمازوں کی قدرت وطاقت

نہیں رکھتی؟

میرے والد گرامی نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی اللہ تعالیٰ پر سبقت نہیں لے جاتے تھے اور بلا چوں و چرا الٰہی احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے درخواست کی اور اس طرح حضرت موسیٰؑ نے آپ کی امت کی شفاعت کی تو آپ نے حضرت موسیٰؑ کی شفاعت کو رد کرنا مناسب نہیں سمجھا اور واپس بارگاہ ایزدی میں جا کر امت کی نمازوں میں رعایت کی درخواست کی اور اس طرح فرض نمازوں کی تعداد کو پانچ تک پہنچایا۔

زید بن علی کہتے ہیں: میں نے اپنے والد گرامی کی خدمت میں عرض کیا بابا! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوبارہ بارگاہ خداوندی میں کیوں نہیں گئے اور نماز میں مزید کمی کی درخواست کیوں نہیں کی۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ امت کو تخفیف اور رعایت بھی مل جائے اور پچاس نمازوں کا ثواب بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۔(سورۂ انعام:۱۶۰) جو شخص ایک نیکی بجالائے اسے دس گنا اجر ملتا ہے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں جب پیغمبر اکرمؐ زمین پر تشریف لائے، جبرئیل آپ پر نازل ہوئے اور عرض کیا: خالق کائنات آپ کو سلام کہتا ہے اور فرما رہا ہے یہ پانچ نمازیں پچاس نمازوں کے برابر ہیں۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَىَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ۔(سورۂ ق:۲۹) میرے قول میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی اور میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ زید بن علیؑ کہتے ہیں میں نے عرض کیا

خدا کی ذات اس سے منزہ نہیں کہ اس کی کوئی صفت بیان کی جائے؟ آپ نے فرمایا جی ہاں ایسا ہی ہے میں نے عرض کیا (اگر ایسا ہے تو پھر) حضرت موسیٰؑ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی طرف واپس جائیں (۰ کیا خدا کسی سمت میں ہے)؟

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: موسیٰؑ کے اس قول کا وہی مطلب ہے جو حضرت ابراہیم کے قول ''اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ''میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں کہ وہ مجھے ہدایت دے گا'' کا ہے۔

یا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کا کلام وَعَجِلْتُ اِلَیْکَ رَبِّیْ لِتَرْضٰی ۔ میرے پروردگار میں نے تیری طرف رجوع کرنے میں جلدی کی ہے تاکہ تو راضی ہو یا اللہ تعالیٰ کا اپنا فرمان ہے: فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰهِ خدا کی طرف فرار کرو یعنی خانہ خدا کا قصد کرو،

بیٹے! کعبہ خانہ خدا ہے اور جو شخص خانہ خدا جانے کا قصد کرے گویا اس نے خود خدا کی طرف جانے کا قصد کیا ہے۔ مسجدیں خانہ خدا ہیں اور جو شخص مساجد کی طرف جائے یقیناً وہ خدا کی طرف جاتا اور خدا کی طرف جانے کا قصد کرتا ہے اور جو شخص نماز کی حالت میں ہے گویا اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہے۔

آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی کچھ جگہیں ہیں خدا نے کچھ جگہیں بنائی ہیں جس شخص کو ان مقامات کی طرف لے جایا جائے گویا اسے خدا کی طرف لے جایا گیا ہے کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا: تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فرشتے اور روح اس (خدا) کی طرف بلند ہوتے ہیں۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ۔(سورۂ فاطر: ۱۰)

پاک و پاکیزہ باتیں اس کی طرف بلند ہوتی ہیں اور عمل صالح اسے بلند کر دیتا ہے۔(توحید صدوق، ص۱۷۶، حدیث ۸)

مکان خدا کا مغالطہ اور اس کا جواب

ابو بصیرؒ کہتے ہیں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: زمانہ، مکان، حرکت و سکون اور نقل وانتقال کو اللہ تعالیٰ کے اوصاف قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ خدا کی ذات زمانہ، مکان اور حرکت و سکون کی خالق ہے۔ حقیقت ہے کہ اللہ کی ذات، ان صفات سے منزہ ہے جو اس کے لئے بیان کئے جاتے ہیں۔

اس بحث سے متعلق روایات کا تجزیہ

مکتبِ اہل سنت کے پیروکار خصوصاً سلفی اور وہابی حضرات، ان روایات کی بنیاد پر جو خود ان کی کتابوں سے نقل کی گئیں، (نعوذ باللہ) خدا کے لئے مادی جسم کے قائل ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ عرش اور کرسی پر براجمان ہے۔ اور ان کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔ خصوصاً ابو ہریرہ کی روایات کی روشنی میں یہ تصور پیش کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کے ایک حصے کے گزرنے کے بعد یا آخری تہائی میں ایک خاص مکان سے آسمان اول کی طرف نزول فرماتا ہے اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کے اپنے بندوں سے خطاب فرماتا ہے یا عرفہ کے دن نزول فرماتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ابن خزیمہ جیسے بعض دانشمند اپنے اس عقیدہ کی دلیل کے طور پر کہ آسمان میں اللہ تعالیٰ

کی جگہ مخصوص ہے۔ ابو ہریرہ کی ان روایات کو ذکر کرتے ہیں جن کے مطابق فرشتے نماز گزاروں کی نماز کو اللہ تعالیٰ کی طرف اوپر لے جاتے ہیں۔ ابو ہریرہ سے منقول یہی روایات اس امر کی باعث بنی ہیں کہ علماء اہل سنت قرآنی آیات وَجَاءَ رَبُّکَ وَ یَاۡتِیَہُمُ اللّٰہُ کی ایسی تفسیر و تاویل کریں جس کے مطابق اللہ تعالیٰ بھی انسانوں کی طرح آمد و رفت رکھتا ہے۔ مگر مکتب اہل بیتؑ میں امام رضا علیہ السلام نے آیہ کریمہ وَجَآءَ رَبُّکَ کی تفسیر میں فرمایا اس کا مطلب جَاءَ اَمۡرُ رَبِّکَ یعنی یہ کہ رب کے آنے سے مراد رب کے حکم کا آنا ہے نہ کہ خود رب کا آنا مراد ہے۔

ہم نے دیکھا کہ امام علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے آسمان دنیا پر نزول کی تکذیب فرمائی اور اس کو تحریف قرار دیا۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اگر خدا کا کوئی خاص مکان نہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو سدرۃ المنتہیٰ تک کیوں لے گیا؟

آپ نے جواب میں فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو اس لئے آسمان پر لے گیا تا کہ آسمان کے فرشتے رسولؐ کی زیارت سے شرفیاب ہوں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم خلقت کی عظمتوں کا مشاہدہ کریں اور اہل زمین کو اس سے آگاہ کریں۔

جب امام زین العابدین علیہ السلام کے فرزند زید بن علیؑ نے اپنے والد گرامی سے پوچھا کہ (اگر خدا کسی خاص سمت میں نہیں تو) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ "اپنے رب کی طرف دوبارہ چلے جائیں اور نمازوں میں رعایت کی درخواست کریں"

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: اس کلام میں حضرت موسیٰؑ کی وہی مراد ہے جو حضرت موسیٰ کی اپنی مناجات سے مراد ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ اپنی مناجات میں فرماتے ہیں:

پالنے والے میں تیری بارگاہ کی طرف سرعت وعجلت سے آیا ہوں تا کہ تو مجھ سے راضی ہو۔ اور یہ کہ کعبہ، خانہ خدا ہے، مسجدیں خدا کے گھر ہیں جو شخص خانہ خدا کی طرف جانے کا قصد کرے گویا اس نے خدا کی طرف جانے کا قصد کیا ہے اور یہی حال روز عرفہ کے نماز گزار اور دعا کرنے والوں کا ہے کہ جب تک دعا اور نماز میں مشغول ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کلی طور پر فرمایا کہ زمان ومکان اور حرکت وسکون کو اللہ تعالیٰ کے اوصاف قرار نہیں دیا جاسکتا۔

روایات اہل بیتؑ میں رؤیت (دیدار) خدا

ابوالحسن موصلی امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں۔ ایک یہودی عالم امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: یا امیر المؤمنین علیہ السلام کیا آپ نے اپنی عبادت کے دوران اپنے رب کو دیکھا ہے؟

امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: میں اس خدا کی عبادت نہیں کرتا جسے نہ دیکھا ہو۔ یہودی نے پوچھا: آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیسا دیکھا؟ آپؑ نے فرمایا: وائے ہو تجھ پر خدا کو آنکھوں سے مشاہدہ کے طور پر نہیں دیکھا بلکہ دل، حقیقت ایمان کے ذریعے خدا کو درک کرتے ہیں۔ (توحید صدوق، ص ۱۰۹، حدیث ۶)

صفوان بن یحییٰ کہتے ہیں ابوقرۃ محدث نے مجھ سے خواہش کی کہ میں اسے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں لے کر جاؤں، میں نے امام علیہ السلام سے اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت دے دی۔ ابوقرۃ امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور حلال وحرام ودیگر شرعی احکام سے متعلق سوالات کا سلسلہ شروع ہوا یہاں تک کہ سوال وجواب کا سلسلہ توحید باری تک پہنچا۔

ابوقرۃ نے کہا: ہمارے ہاں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رؤیت (دیدار) اور مکالمہ کو دو شخصیتوں میں تقسیم کردیا ہے۔ اپنی ذات کے ساتھ مکالمہ کی سعادت حضرت موسیٰؑ کو عنایت فرمائی اور رویت (دیدار) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیب ہوا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: (یہ بتاؤ) وہ کون سی شخصیت تھی جس نے جنات اور انسانوں کو خبر دی کہ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ۔ (سورۂ انعام: ۱۰۳) (انسانی نگاہیں خدا کو درک نہیں کرسکتیں وہ نگاہوں کو درک کرتا ہے)۔

لَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا (سورۂ طٰہٰ: ۱۱۰) لوگوں کا علم خدا کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ کیا یہ رسول خداؐ ہی کی شخصیت تھی جس نے یہ خبر دی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص لوگوں کے پاس آکر کہے کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں اور لوگوں کو خدا اور احکام خدا کی طرف دعوت دے اور فرمائے: لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا وَلَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔

اس کے بعد وہی شخص لوگوں سے کہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھا ہے اور وہ انسانوں کا ہمشکل ہے کیا تمہیں شرم نہیں آتی۔ دشمنان دین اور منکرین خدا تو رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایسی بات منسوب نہ کرسکے کہ پہلے خدا کی طرف سے کوئی بات لوگوں تک پہنچائیں اور پھر آپؐ ہی اس کے خلاف بیان دیں۔

ابوقرۃ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے خود ہی تو فرمایا ہے وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ۔ (سورۂ نجم: ۱۳) (رسول خداؐ نے دوبارہ اسے دیکھا)

امام علیہ السلام نے فرمایا: قرآن کی دوسری آیت خود ہی اعلان کررہی ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا دیکھا۔

چنانچہ ارشاد باری ہے: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی (سورہ نجم: ۱۱) (جو کچھ (نظروں نے) دیکھا اسے دل نے نہیں جھٹلایا) لَقَدْ رَاٰی مِنْ آیَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ۔ (سورہ نجم: ۱۸) یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بعض بڑی نشانیوں کا مشاہدہ فرمایا۔

ظاہر ہے کہ خدا اور ہے اس کی نشانیاں اور ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۔ (سورہ طٰہٰ: ۱۱۰) (لوگوں کا علم خدا کا احاطہ نہیں کر سکتا) اگر لوگ اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھ لیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے علم نے خدا کا احاطہ کر لیا ہے اور اس کی حقیقی معرفت حاصل کر لی ہے۔

ابوقرۃ نے کہا: آپ روایات کو جھٹلا رہے ہیں۔

امام رضاؑ نے فرمایا: جس روایت سے قرآن کی مخالفت ظاہر ہو میں اسے ضرور جھٹلاؤں گا۔ اس بات پر تمام مسلمان متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علمی احاطہ ممکن نہیں (یعنی کسی کا علم خدا کا احاطہ نہیں کر سکتا) انسانی نگاہیں اس کو درک نہیں کر سکتیں اور اس کے مانند کوئی چیز نہیں۔ (توحید صدوق، ص ۱۱۰، ۱۱۲، حدیث ۹۔ بحار الانوار ج ۴ ص ۳۱۔ کافی کتاب التوحید باب ابطال الرؤیۃ، حدیث ۲)

اس مقام پر دو قسم کی رویت (دیدار) بحث طلب ہیں:

۱۔ زندگی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار خدا۔

۲۔ روز قیامت مسلمانوں کا دیدار خدا۔

دیدار پیغمبرؐ کے بارے میں غیر امامیہ روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں کعب

الاحبار سے منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام اور رویت دیدار کو موسیٰ اور محمدؐ میں تقسیم کر دیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو اپنے ساتھ ہمکلام ہونے کی سعادت بخشی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیدار کی سعادت سے نوازا۔ روز قیامت خدا کے بارے میں بھی ہم نے ابو ہریرہ کی (بقول ان کے) صحیح اور معتبر روایت بیان کر دی ہے۔ اس روایت کے مطابق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم روز قیامت خدا کو اس طرح دیکھو گے جس طرح دنیا میں آسمان پر سورج اور چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اس روز ہر کوئی اپنے معبود کے پیچھے چل پڑے گا اور اس کے ساتھ جہنم میں محشور ہوگا اور صرف مسلمان رہ جائیں گے اس وقت اللہ تشریف لائیں گے اور مسلمانوں کے خیال سے مختلف شکل وصورت میں انہیں نظر آئے گا۔ اس وقت خدا فرمائے گا میں تمہارا پروردگار ہوں، مسلمان کہیں گے ہم تجھ سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں ہم اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے جب تک ہمارا رب تشریف نہ لائے ہم اپنے رب کو (بخوبی) پہچانتے ہیں۔ اس وقت اللہ اسی شکل وصورت میں مسلمانوں کے درمیان ظاہر ہوگا جس سے وہ مانوس ہوں گے۔ مسلمان کہیں گے ہاں! تو ہے ہمارا پروردگار! اس کے بعد مسلمان اللہ تعالیٰ کے پیچھے پیچھے جنت میں داخل ہوں گے۔"

اس روایت کا آخری حصہ ملاحظہ ہو:

روز محشر ایک شخص جہنم کی طرف منہ کر کے اپنی جگہ کھڑا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کو فریب دے گا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا خدا سے دور اور جنت کے دروازے تک پہنچے گا اس موقع پر اللہ تعالیٰ ہنس پڑے گا اور اس شخص کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دے گا۔ اس شخص کے جنت میں داخل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم جو چاہتے ہو اس کی درخواست پیش کرو وہ شخص اپنی

خواہشیں اللہ کی بارگاہ میں پیش کرے گا اور خداوند تعالیٰ اس کی تمام خواہشات کا دگنا اسے عطا فرمائے گا۔

ہم ذیل میں ان حضرات سے چند سوال کرنا چاہتے ہیں جن کے خیال میں سابق الذکر روایات صحیح ہیں۔

۱۔ ابو ہریرہ نے اپنی روایت میں فرمایا ہے کہ خدا اپنی شکل تبدیل کرلے گا۔ یہ تبدیلی کس نوعیت کی ہوگی؟ کیا ہر دفعہ کی شکل پہلی شکل سے مختلف ہوگی؟

۲۔ ابو ہریرہ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ اس شکل میں تبدیل ہوگا جس سے مسلمان آشنا ہوں گے" اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہوگا۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جس خدا کو ان برادران نے دیکھا ہے اس کی شکل وصورت روزِ قیامت کیسی ہے؟

۳۔ کیا خدا جسم رکھتا ہے اور انسان کی طرح خاص شکل صورت اور قد رکھتا ہے اور چلتا ہے تاکہ مؤمنین اس کے پیچھے جاسکیں؟

۴۔ کیا اللہ تعالیٰ ہنستا ہے اور اس طرح بدکار و گنہگار سے درگزر کرکے اس کو جنت بھیج دیتا ہے اس روز قیامت کے حساب کتاب کا کیا بنے گا؟ اور حشر نشر کا کیا فائدہ ہوگا؟

حیرت انگیز اور تعجب آور امر یہ ہے کہ یہ علماء حدیث اس قسم کی روایات کو ایمان اور توحید کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں ذکر تے ہیں اور روایات کو صحیح سمجھنے کا قہری نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ یہ حضرات خدا کے لئے جسم کے قائل ہیں۔

اس موضوع سے متعلق کتب اہل بیتؑ اور اوصیاء پیغمبر کی روایات کا خلاصہ یہ تھا کہ وصی پیغمبر امیر المؤمنین علیہ السلام نے پہلی دلیل میں رؤیت (دیدار) خدا کو رؤیت قلبی قرار دیا ہے اور آنکھ کے ذریعے رؤیت کی نفی کردی اور ہم اس حقیقت کو سمجھ گئے کہ اسلامی مدارک اور مآخذ حدیث میں جہاں کہیں بھی لفظ رؤیۃ اللہ کا ذکر آیا ہے اس سے مراد، رؤیت قلبی ہے جس کا سرچشمہ حقیقت ایمان ہے۔ وہ رؤیت مراد نہیں جو ماتھے پر موجود آنکھوں کے ذریعے ہوتی ہے جن کے ذریعے ان چیزوں کو دیکھا جاسکتا ہے جو مادی جسم رکھتی ہوں اور جو موجودات، مادی جسم نہیں رکھتی جیسے روح ہے انہیں سر میں موجود آنکھوں کے ذریعے نہیں دیکھا جاسکتا بلکہ انہیں تو صرف ان کے آثار اور نشانیوں کے ذریعے پہچانا جاسکتا ہے۔

خدا کوئی مادی جسم ہے اور نہ اس کی کوئی مقدار ہے جسے ان آنکھوں کے ذریعے دیکھا جاسکے بلکہ خدا کی ذات تو صرف اور صرف آثار قدرت، علم، حکمت اور دیگر صفات کے ذریعے پہچانی جاتی ہے ایک اور روایت میں جب امام رضاؑ سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ کیا یہ روایت صحیح ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے مکالمہ اور اپنے دیدار کو حضرت موسیٰؑ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تقسیم کردیا ہے)۔

آپ نے اس روایت کی (سختی سے) تکذیب کی اور فرمایا (اگر ایسا ہے تو پھر) ان الٰہی آیات کو جن وانس تک کس نے پہنچایا کہ "انسانی نگاہیں خدا تعالیٰ کو درک نہیں کرسکتیں (البتہ) وہ نگاہوں کو درک کرسکتا ہے۔ مخلوق اس کو درک کرنے سے قاصر ہے اور کوئی چیز اس کے مانند نہیں"۔

اور جب سائل نے کلام امام کو ان (ابو ہریرہ) کی روایات کی تکذیب کے مترادف

قرار دیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں جو روایت قرآن مجید سے متصادم ہو میں اس کی تکذیب کرتا ہوں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوا کہ وہ معرفت اسلام کے معیار کے طور پر قرآن واہل بیتؑ کا اعلان کریں لیکن بعض مسلمان اگرچہ اہل بیتؑ کو اس معیار کا حصہ نہیں سمجھتے مگر اس کے باوجود، علماء کرام بجائے اس کے کہ روایات کو قرآن کے سامنے پیش کریں تا کہ صحیح اور غلط روایت میں تمیز ہو جائے، ان روایات کے مطابق قرآن کی تاویل وتفسیر کرتے ہیں۔ باین معنی کہ یہ حضرات، ابو ہریرہ اور کعب الاحبار کی روایات کو معیار اسلام قرار دیتے ہیں اور انہی کو سنت نبوی کہتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو اہل سنت بھی سمجھتے ہیں۔

ہم نے دیکھا کہ امام رضا علیہ السلام کا اس بات پر اصرار ہے کہ روایات کی صحت وسقم کا معیار اور دار و مدار قرآن پر ہے۔ اگر کوئی روایت قرآن سے متصادم ہو تو در خور اعتنا نہیں سمجھنا چاہیے اور جو لوگ رؤیت (دیدار) خدا کو ممکن سمجھتے ہیں ان کے جواب میں آیت کریمہ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ۔ (سورۂ انعام: ۱۰۳) ''خدا کو نگاہیں درک نہیں کر سکتیں البتہ خدا نگاہوں کو درک کرتا ہے'' کی تلاوت فرماتے ہیں اور جو حضرات رؤیت خدا کے جواز وامکان کے لئے آیت کریمہ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (سورۂ قیامت: ۲۲ و ۲۳) ''روز قیامت ہشاش بشاش چہرے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے'' پیش کرتے ہیں۔

ان کے جواب میں امام علیہ السلام نے فرمایا: روز قیامت لوگ اپنے پروردگار کے امر کی طرف دیکھ رہے ہوں گے یعنی فرمان الٰہی کے منتظر ہوں گے اس طرح اس آیہ کریمہ میں سے لفظ

امر کو حذف کر دیا گیا ہے چنانچہ قرآن کی دوسری آیت جس میں اولاد یعقوبؑ کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ اولاد یعقوب نے یعقوبؑ سے وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا۔ ''آپ اس بستی سے سوال کریں جس میں ہم موجود تھے''

یعنی اہل بستی سے سوال کریں (کیونکہ بستی تو سوال کے قابل نہیں)''۔ جس طرح گزشتہ آیت میں امر کو حذف کیا گیا ہے اسی طرح اس آیت میں اہل کو حذف کیا گیا ہے۔

ابو ہریرہ اور کعب الاحبار کی روایات اور ان کے مضمون پر عمل کرنے والے مجسمة اور مشبہة کہلاتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو جسم سمجھتے ہیں اور اس کو اپنی مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں (مخلوق کے مانند قرار دیتے ہیں)۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے اس قسم کی آیات کی صحیح تفسیر بیان کر دی ہے اور واضح کر دیا ہے کہ قرآن میں ''ساق''، ''ید'' اور ''عرش'' سے کیا مراد ہے اور حدیث شریف ''اِنَّ اللهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ'' میں جس قسم کی تحریف کی گئی ہے اس کی بھی نشاندہی کی ہے۔ (صفات الٰہی کے بارے میں کافی کلینیؒ، توحید صدوقؒ، عیون اخبار الرضاؑ کی طرف رجوع فرمائیں)۔

ہمارا مقصد ان تمام آیات وروایات کو بیان کرنا نہ تھا جن سے خدا کے جسم ہونے کا مغالطہ ہوتا ہے اس لئے صرف ان روایات کا نمونہ بیان کر دیا ہے جو دونوں مکاتب فکر میں بظاہر متعارض اور متصادم نظر آتی ہیں اور اس امر کو واضح کر دیا ہے کہ ہر کتب فکر نے اپنی زاویہ فکر کے مطابق قرآنی آیات کی تاویل کی ہے اور ان کا مفہوم بیان کیا ہے۔

❀❀❀❀❀

AKHLAQ AWAN.